انصار احمد شیخ

''صحّتِ املا کے اصول'': ایک تجزیاتی مطالعہ

اردو ادب میں املا کے مسائل پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ماہرینِ زبان وادب کی متنوّع آرا سے مباحث اور مکالمے کی جو فضا بنی، اُس سے بہت سے پہلو اور رُخ نمایاں ہو کر سامنے آئے۔ اِن مباحث سے اختلاف اور انتشار کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ بھی شروع ہوا، جس سے املا میں بے قاعدگی اور غلط نگاری بھی راہ پانے لگی۔ اِس میں اخبارات ورسائل، درسی کتب، ٹیلی وژن اور اب سماجی ذرائع ابلاغ یعنی سوشل میڈیا پیش پیش رہے ہیں۔ حکومتی سطح پر املا کی اصلاحات کے نفاذ اور اصول وضوابط مقرّر نہ ہونے کی بِنا پر غلط اندازِ نگارش کو تقویت ملی۔ چناں چہ غلط املا کی روک تھام، املا کی اصلاح وترمیم اور معیار بندی کے لیے انفرادی اور اجتماعی سطح پر جو متواتر کوششیں کی گئیں، وہ سب لائقِ صد تحسین ہیں، اس میں پاکستان کی نسبت بھارت نے زیادہ اور مؤثّر کام کیا، گو کہ شرفِ قبولیت کے معاملات ابھی خال خال ہیں۔ تاہم امّیدِ واثق ہے کہ اِس سعیٔ مسلسل سے املا میں باقاعدگی، یک سانی اور یک رنگی کی راہ ہم وار ہو جائے گی۔ اِس سلسلے کی ایک سعی پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی جانب سے بھی کی گئی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی علم وادب، تنقید وتحقیق اور اقبال شناسی کا معتبر اور مستند حوالہ ہیں۔ آپ اردو زبان وادب کے رمز شناس ہیں۔ چالیس سے زائد کتابوں کے مصنّف ماہرِ اقبالیات ہاشمی صاحب کی دل چسپی کا ایک موضوع ''اردو املا'' بھی ہے۔ آپ نے اِس موضوع پر غور وفکر اور تحقیق وتدقیق کے بعد ایک کتابچہ بنام صحتِ املا کے اصول تصنیف کیا ہے۔ اِس کتابچے میں املا جیسے وسیع موضوع کا مکمّل احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے، تاہم ان کی پیش کردہ تیس تجاویز پر دریا کو کوزے میں بند کرنے کا محاورہ صادق آتا ہے۔ کتابچے کے پیش لفظ (گزارش) میں آپ نے ان تجاویز کی ترتیب میں معروف ماہرینِ املا اور اداروں سے اخذ واستفادے کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

یہ اصول اور قاعدے ہم نے نامور ماہرینِ املا (بابائے اردو مولوی عبدالحق، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، رشید حسن خاں، ڈاکٹر فرمان فتح پوری وغیرہ) اور بعض اہم اداروں (انجمنِ ترقّیٔ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد اور ترقّیٔ اردو بیورو، دہلی) کی مرتّب کردہ سفارشاتِ املا اور اِس موضوع پر متعدّد ورک شاپوں، سیمی ناروں اور بحث مباحثوں میں شرکت یا ان کی رودادوں کے مطالعے اور ان پر غور وفکر کے بعد مرتّب کیے ہیں۔[۱]

اتفاق و اختلاف کی صورت ہر تحریر اور موضوع میں موجود ہوتی ہے۔ دنیائے ادب میں کسی کے نظریوں اور اصولوں پر کُلّی طور پر متفق ہونے کی مثالیں عنقا ہیں۔ الہامی کتابیں تک اِس سے مبرّا و ماورا نہیں ہیں۔ ماہرِ لسانیات ڈاکٹر رؤف پاریکھ جو اردو املا کے مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں، انھوں نے بھی کتابچے کے ابتدائیے (معروضات) میں اِس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ پیش کردہ املا کے بعض اصول وقواعد سے ''اختلاف'' ہوسکتا ہے۔[۲] یہاں ہم مذکورۂ بالا ماہرینِ املا اور دیگر علمائے لسانیاتِ اردو کی روشنی میں قابلِ احترام ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی پیش کردہ تیس تجاویز میں سے چند چھوڑ کر، بیش تر کو اتّفاق واختلاف کے تناظر میں مثبت، مدلل، علمی اور معروضی نقطۂ نظر سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

لفظوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ لکھنے کی کوششیں ماہرینِ املا کی جانب سے کی جاتی رہی ہیں۔ انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند) نے آزادی سے قبل املا کی اصلاحات کے حوالے سے پیش کردہ تجاویز میں الفاظ کو علیٰحدہ لکھنے کی تجویز کو منظور کیا تھا۔[۳] ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی نے صحتِ املا کے اصول میں ابتدائی دو تجاویز الفاظ اور مرکبات کو الگ الگ لکھنے کے حوالے سے دی ہیں۔ انھوں نے درجن بھر صحیح اور غلط اردو مرکبات کی جدول میں نشان دہی کی ہے۔ انگریزی اور یورپی الفاظ کے لیے بھی انھوں نے یہی مشورہ دیا ہے۔ جب کہ پانچویں تجویز میں انھوں نے سابقوں اور لاحقوں (بہ، چہ، کہ) کو ملا کر لکھنے (چونکہ، کیونکہ، بخوبی) کو درست بتایا ہے۔[۴] اردو اور انگریزی کی چند مثالیں: خوب صورت، عقل مند، قلم کار، یونی ورسٹی، ٹیلی فون، ٹیلی گراف، انسائی کلو پیڈیا اور ٹیلی وژن ہیں۔[۵]

انگریزی اور یورپی الفاظ مثلاً: یونی ورسٹی، ٹیلی فون، ٹیلی گراف وغیرہ کو گوپی چند نارنگ (مرتّب) نے ملا کر لکھا ہے۔[۶] رشید حسن خاں نے اردو املا میں اِن بدیسی الفاظ کو علیٰحدہ لکھا ہے، جب کہ آخرالذکر لفظ کا املا ''ٹیلی ویژن'' ہے۔[۷] سفارشاتِ املا کمیٹی، ترقّیٔ اردو بورڈ، دہلی کی مرتّب کردہ املا نامہ میں بھی یہی املا

''ٹیلی ویژن'' ملتا ہے۔[۸] اِسی کتاب میں لفظوں میں فاصلہ اور ملا کر لکھنے کے حوالے سے ''چلن'' پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مرکبات میں الفاظ کو الگ الگ لکھنے کی سفارش کی گئی ہے۔ مثلاً: نیک بخت، گل بدن وغیرہ اور مشتقات میں ملا کر لکھنے کو کہا گیا ہے۔ جیسے: بیشتر، شاندار، دلکش، عالمگیر وغیرہ۔[۹] جب کہ بعض الفاظ میں مستعمل لاحقوں اور سابقوں کو دونوں طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ جیسے: ان جان، ان گنت، بے شک، بیباک، چونکہ، کیونکہ، جبکہ وغیرہ۔[۱۰] البتہ رشید حسن خاں نے چند مستثنیات سے قطعِ نظر زیادہ تر مرکبات اور سابقوں یا لاحقوں کے ملنے سے بننے والے مشتقات کو الگ الگ ہی لکھا ہے۔[۱۱]

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی الفاظ کو حتّی الوسع الگ الگ لکھنے کی بات بالکل صائب ہے، لیکن غیر ضروری طور پر الفاظ کو توڑ کر لکھنے سے بھی اجتناب کرنا ضروری ہے۔ دورِ حاضر میں الفاظ کو الگ لکھنے کے رجحان نے اِس قدر طُول پکڑ لیا ہے کہ اب بعض متّصل الفاظ بھی منفصل دیکھنے کو ملتے ہیں، مثلاً: بے دار، بے زار، بے دل، چوکی دار وغیرہ، جو صریحاً غلط ہیں۔ دوسری جانب فارسی کی تقلید میں الفاظ کو ملا کر لکھنے کا مرض بھی جڑ پکڑ گیا ہے۔ خواہ مخواہ تین تین، چار چار الفاظ کو ملا کر لکھنے کی رِیت ڈالی جا رہی ہے۔ اصولاً دو مفرد الفاظ جو معنوی اعتبار سے مختلف ہوں اور دو مختلف زبانوں آئے ہوں، کو متحد لکھنے سے گُریز کرنا چاہیے۔ لفظوں کو الگ الگ لکھنے سے معنوی لحاظ کے علاوہ پڑھنے میں کافی سہولت رہتی ہے۔[۱۲] یعنی پڑھنے لکھنے کی آسانی کے ساتھ تلفظ کے بگاڑ کا خدشہ بھی رفع ہو جاتا ہے۔ الفاظ کو یک جا لکھنے کی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے۔ مثلاً: ''دست خط'' کو ''دستخط''، ''بہ یک وقت'' کو ''بیک وقت''، ''کس مپرسی'' کو ''کسمپرسی''، ''تن دُرستی'' کو ''تندرستی''، ''حکم رانی'' کو ''حکمرانی'' وغیرہ لکھا جا رہا ہے۔ مختصر نویسی کی اِس روش کی بدولت صاحبانِ علم و دانش اور اساتذۂ کرام تک سے اِن الفاظ کا تلفظ عموماً یوں سُنا جاتا ہے: ''دس تخَط''، ''بیک وقت''، ''کسَم پُرسی''، ''تند رُستی''، ''حُک مَرانی''۔ مؤخر الذّکر تلفظ تو خاصا مضحکہ خیز ہے۔

عربی کے بعض الفاظ کے آخر میں ''الف'' کی آواز آتی ہے۔ عربی طریقِ کتابت کے مطابق وہاں ''ی'' لکھی جاتی ہے اور اس سے ماقبل حرف پر ایک چھوٹا سا الف بنا دیا جاتا ہے، جسے عام طور پر الف مقصورہ یا کھڑا زبر کہا جاتا ہے۔ (اردو کے برعکس عربی میں اِسے علاحدہ تصوّر کیا جاتا ہے۔) کبھی یہ چھوٹا الف عربی الفاظ کے درمیان میں بھی آتا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی نے چوتھی اور چھٹی تجویز میں فرمایا ہے (بہتر ہوتا کہ ترتیب وار تجاویز دی جاتیں) کہ عربی کے اِس قبیل کے لفظوں کو چند استثنائی مثالوں کے پورے الف سے لکھنا مناسب ہوگا۔ مثلاً: ادنا، اعلا، دعوا، اسماعیل، مولانا، زکات، مقفا وغیرہ۔[۱۳] اور مستثنیٰ الفاظ: مصطفٰی، مجتبٰی،

موسیٰؑ، عیسیٰ، تعالیٰ، یدِ طولیٰ وغیرہ ہیں۔[۱۴]

انجمنِ ترقّیٔ اردو (ہند) کی اصلاحاتِ املا کے حوالے سے پیش کردہ تجاویز میں سے ایک تجویز یہ بھی تھی کہ عربی میں جو الفاظ الف مقصورہ سے لکھے جاتے ہیں، اُنھیں اردو میں الف کے ساتھ لکھا جائے۔ انھوں نے عربی الفاظ میں الف مقصورہ لکھنا غلط بتایا ہے۔[۱۵] ایسے الفاظ کی فہرست میں ادنا، اعلا، اسماعیل، مولانا، زکات، علاحدہ وغیرہ شامل ہیں۔[۱۶] اِس فہرست اور ہاشمی صاحب کی مثالوں میں کافی یک سانیت ہے، البتّہ انجمن ترقیٔ اردو ہند نے اسمائے خاص کو بھی پورے الف کے ساتھ لکھا ہے۔ جیسے: مصطفا، مرتضا، کبیرا، صغرا، کُبرا وغیرہ۔[۱۷] ہاشمی صاحب کے ہاں ہمیں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی پیش کردہ تجویز کا عکس نظر آتا ہے، یعنی انھوں نے اسمائے خاص کے علاوہ عام عربی الفاظ کو پورے الف ہی سے لکھا ہے۔[۱۸] جب کہ املا نامہ میں مروّج صورت ہی کو ترجیح دی گئی ہے۔ چناں چہ یہاں دونوں طرح کے الفاظ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مثلاً: ادنیٰ، اعلیٰ، عیسیٰ، موسیٰؑ، تعالیٰ، یدِ طولیٰ، اسماعیل، رحمان، مولانا، مدّعا، علاحدہ وغیرہ۔[۱۹]

رشید حسن خاں کی معروف کتاب ''اردو املا'' کے سخت معترضین میں ڈاکٹر ابو محمد سحر کے ساتھ مولانا حفیظ الرحمان واصف کا بھی شمار ہوتا ہے۔ انھوں نے سلیمان، ابراہیم، نجات، حیات، متوفّا کو سیدھے الف سے فصیح قرار دیا ہے۔[۲۰] البتہ آپ ''صلات'' اور ''زکات'' کو قرآنی املا کے مطابق تاے مدوّرہ سے لکھنے کو بہتر جانتے ہیں۔[۲۱] آخرالذکر لفظ کا املا معروف عربی اردو لغت المنجد میں بھی پورے الف اور تاے دراز سے لکھا گیا ہے۔[۲۲]

رشید حسن خاں انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند) کی تجویز کو سراہتے ہوئے الف مقصورہ والے الفاظ کو الف ہی سے لکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً: ادنا، اعلا، مولا، دعوا، حتّا، یدِ طولا، زکات، صلات، رِبا، رحمان، علاحدہ وغیرہ۔[۲۳] آپ کے ہاں ہاشمی صاحب کے مذکورۂ بالا مستثنیٰ الفاظ بھی پورے الف ہی سے لکھے ملتے ہیں۔ البتہ عربی تراکیب اور عبارت کو وہ اردو میں اصل صورت کے ساتھ لکھنے کو کہتے ہیں۔ تین لفظوں یا حروفِ جر سے مختلف ترکیب پانے والے چند مرکبات یہ ہیں: علی الصّباح، حتّی الامکان، الی اللہ وغیرہ۔[۲۴] رفیق احمد نقش نے رشید حسن خاں کے اِسی املا کو اپنے مرتّب کردہ رسالہ ''تحریر'' اور اپنی تحریروں میں برتا ہے۔[۲۵] اِسی طرح نصیر ترابی کی نظر میں بھی عربی کے الف مقصورہ والے الفاظ و مرکبات اور اسمائے خاص کو الف سے لکھنا زیبا ہے۔[۲۶] جب کہ ڈاکٹر رؤف پاریکھ عربی الفاظ و مرکبات میں الف مقصورہ کے حامی ہیں۔[۲۷]

اردو املا میں سب سے زیادہ اختلافی مسئلہ عربی الفاظ و مرکبات میں الف مقصورہ کے استعمال کا ہے۔ یہیں ہمیں زیادہ تر دورنگی اور سہ رنگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ستم بالاے ستم یہ ہے کہ ہم مقدّس عربی زبان کی

لکھاوٹ اور طرز کو اختیار کرنا تو چاہتے ہیں، لیکن اُسے اُس کی صحیح اصلی عربی صورت میں بھی پیش نہیں کر پاتے۔ یعنی عربی کے جن الفاظ کے آخر میں ''ی'' لکھی جاتی ہے، عموماً اُس ''ی'' پر ایک چھوٹا سا ''الف'' بنا دیا جاتا ہے، جو سراسر غلط ہے۔ چھوٹا ''الف'' آخر میں لگانے کی صورت میں الفاظ کا تلفظ ہی غلط ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں ''الف'' ہمیشہ ''ی'' سے پہلے والے حرف پر لگنا چاہیے۔ قرآن واحادیث میں اِسے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ رشید حسن خاں سے لے کر ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی تک عربی الفاظ وتراکیب کی فہرست میں چھوٹا الف ''ی'' کے اوپر ہی بنایا گیا ہے!!

الف مقصورہ کے حوالے سے دوسری بات یہ ہے کہ ہماری اردو زبان کا اپنا لب ولہجہ اور لکھنے کا طریقِ کار ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم نے لفظیات کے حوالے سے دیگر زبانوں سے اخذ واستفادہ کیا ہے، لیکن ہم اُن زبانوں سے اخذ کردہ الفاظ کی لکھاوٹ کو من وعن اردو میں منتقل کرنے اور اُن کے تلفظ ولہجے میں بولنے کے مطلق پابند نہیں ہیں۔ ہم عربی الفاظ: نجوٰۃ، حیوٰۃ، زکوٰۃ، ابرٰھیم، شعراء، علماء وغیرہ کو اب اردو طرز میں نجات، حیات، زکات، ابراہیم، شعرا، علماوغیرہ لکھ رہے ہیں۔ یہاں ہم نے تاے مدوّرہ (ۃ) کو تاے دراز (ت) اور کھڑے زبر کو پورے الف سے بدل دیا ہے نیز آخرالذّکر الفاظ سے ہمزہ بھی حذف کر دیا ہے، یعنی اگر صرف اوّل الذّکر لفظ کی بات کی جائے تو اِس میں ہم نے تین تبدیلیاں کیں؛ دو بہ لحاظِ ساخت (کھڑا زبر اور تاے دراز) اور ایک بہ لحاظِ تلفظ۔ یعنی عربی تلفظ ''نَجات'' کو ہم نے اردو میں ''نِجات'' کر دیا۔ میری ذاتی راے میں چند مستثنیات ''اسماے خاص'' (خالقِ کائنات اور انبیاے کرامؑ وغیرہ کے ناموں) کو چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ عربی الفاظ ومرکبات میں اِسی املا کی طرز کو اختیار کرنی چاہیے۔ اِس سے تلفظ کے گمبھیر مسائل میں بھی آسانی رہے گی اور املا کی غلطی کا احتمال بھی صفر ہو جائے گا۔ کیوں کہ سہل انگاری کی بِنا پر ہم تشدید کی طرح بسا اوقات کھڑا زبر لگانے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ چناں چہ بعض کتب ورسائل میں اب ''متوفی''، ''مسمی''، ''اعلی'' لکھا ہوا دیکھنے کو ملتا ہے۔ اپنے تدریسی تجربے میں بھی احقر نے طلبہ سے ان کا تلفظ بارہا ''متوف فی''، ''مسم می''، ''آلی'' سُنا ہے۔ اگر اِس نوع کے الفاظ کو ہم الف مقصورہ کی بجاے الف سے یعنی ''متوفّا''، ''مسمّا''، ''اعلا'' لکھنا شروع کر دیں تو عربی الفاظ کی اردو زبان میں یک ساں لکھاوٹ کے ساتھ تلفظ کے بگاڑ سے بھی محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مکمّل طور پر عربی طرزِ تحریر اردو کے لیے کسی بھی طرح موزوں نہیں ہے۔ تحریر میں ہم کاملاً عربی کے مقلّد نہیں ہو سکتے۔ خود عربی زبان میں قرآنِ پاک اور عربی کتب میں الفاظ کے املا میں تفاوت موجود ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی نے ساتویں تجویز میں عربی، ترکی کے کچھ الفاظ کے علاوہ انگریزی، ہندی اور یورپی زبانوں کے الفاظ کو ''ہ'' کی بجائے ''الف'' سے لکھنے کو درست بتایا ہے۔ مثلاً: معمّا، قورما، ناشتا، ملغوبا، شوربا، بقایا، مربّا، خون خرابا، داروغا، راجا، پتّا، گھونسلا، انگارا، کلیجا، بلبلا، انڈا، کمرا وغیرہ۔[۲۸] جب کہ آٹھویں تجویز میں آپ نے اسمائے معرفہ کو ہائے مختفی اور ہائے ہوّز سے لکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ مثلاً: افریقہ، کلکتہ، آگرہ، بنگلہ دیش، امریکا وغیرہ۔[۲۹]

عربی وفارسی کے علاوہ ہندی الفاظ جن کے آخر میں ''آ'' کی آواز آتی ہے، ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے ہاں بھی انھیں ''الف'' کے ساتھ ہی لکھا گیا ہے۔ تاہم ''پتّا'' کو انھوں نے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے ہائے مختفی سے لکھنے کا مشورہ دیا ہے۔[۳۰] اسمِ علَم (اسمائے معرفہ) کو بھی وہ ہائے مختفی ہی سے مرجّح بتاتے ہیں۔[۳۱] ''املانامہ'' میں جزوی صورت دیکھنے کو ملتی ہے۔ یعنی بعض الفاظ کے آخر میں ہائے مختفی و ہوّز اور کچھ کو ''الف'' سے لکھا گیا ہے۔ مثلاً: شوربہ، قورمہ، ناشتہ، ملغوبہ، عاشورہ، معمّا، تمغا، مربّا، تقاضا وغیرہ۔[۳۲]

شمس الرحمٰن فاروقی اردو الفاظ سے ہائے مختفی ختم کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک یہ بات مہمل ہے کہ ''ہندی'' (یعنی اردو کے دیسی الفاظ) میں ہائے مختفی نہیں۔ ان کے خیال میں اساتذہ اور ماہرین کے دباو کے تحت گذشتہ بیس پچیّس برسوں میں ہائے مختفی کی بجائے الف سے لکھنے کا رجحان پیدا ہوا ہے۔ چناں چہ وہ شہروں، جگہوں وغیرہ کے ناموں کو ہائے مختفی اور ہائے ہوّز سے لکھنے کو صحیح مانتے ہیں۔[۳۳] شان الحق حقّی اردو الفاظ میں بھی ہائے مختفی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے خیال میں قدیم املا سے پہچان میں آسانی رہتی ہے۔

> بعض اردو الفاظ جیسے کہ پتہ، مہینہ، گھونسلہ، کھتہ، گتّہ، کرتہ، سٹّہ، بھتّہ، بدلہ، آنہ، روپیہ، چبوترہ، ہائے مختفی ہی کے ساتھ لکھے جائیں تو زیادہ اچھی طرح شناخت ہوتے ہیں۔[۳۴]

ڈاکٹر ابومحمد سحر نے اکثر ہندی الفاظ اور بعض عربی وفارسی الفاظ کو اصل کی رو سے ہائے مختفی کی بجائے الف سے لکھنے کے اصول کو تسلیم کیا ہے۔[۳۵] لیکن مقامِ حیرت ہے کہ دوسری جانب انھوں نے اس قبیل کے دیگر الفاظ کو اِس قاعدے سے مستثنیٰ قرار دینے کی درخواست بھی کی ہے، اِس میں کچھ الفاظ ہاشمی صاحب کی فراہم کردہ فہرست کے بھی ہیں۔ مثلاً: راجہ، قورمہ، ڈاکیہ، کھاتہ، ڈھانچہ، پیسہ، مہینہ وغیرہ۔ شہروں، ملکوں اور جگہوں کے ناموں کو بھی انھوں نے ہائے مختفی اور ہائے ہوّز کے ساتھ لکھنے کو ترجیح دی ہے۔[۳۶] ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

نے مولانا احسن مارہروی کے حوالے سے ہندی الاصل الفاظ کے آخر میں ہائے مختفی کی بجائے الف لکھا ہے۔ جیسے: پتا، بھروسا، دھوکا، کلیجا، ٹھیکا، مہینا وغیرہ۔[۳۷] رشید حسن خاں نے ایسے ہندی الاصل لفظوں کی مفصّل فہرست مرتّب کی ہے، جن کے آخر میں الف آیا ہے۔ البتہ ہائے مختفی کے ساتھ چند اسمائے معرفہ کی متعارف صورتوں ہی کو برقرار رکھنے کو کہا گیا ہے۔ مثلاً: پٹنہ، کلکتہ، امروہہ، آگرہ۔[۳۸] مولوی عبدالحق نے بھی اِن شہروں کے ناموں کو ہائے مختفی ہی سے لکھا ہے۔[۳۹]

''املا نامہ'' میں یورپی اور دیسی لفظوں کو الف سے لکھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً: سوڈا، فرما، بھروسا، اڈّا، راجا، ڈھانچا، ٹھپّا وغیرہ۔[۴۰] اِس میں شہروں، ملکوں اور جگہوں کے ناموں کو ہائے مختفی سے لکھنے کو درست بتایا گیا ہے۔[۴۱] جب کہ رفیق احمد نقش نے اسمائے معرفہ: افریقا، کینیڈا، امریکا وغیرہ کو الف ہی سے لکھا ہے۔[۴۲]

عربی وفارسی الفاظ کے آخر میں ہائے مختفی کا استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ ہندی میں اِس کا وجود نہیں ہے۔ درحقیقت ہندی کے رسم الخط میں اِسے ظاہر کرنے کے لیے الف کے مساوی حرفِ تہجی لکھا جاتا ہے۔ ہم عربی وفارسی کی تقلید میں ہندی اور یورپی زبانوں کے الفاظ میں بھی ہائے مختفی کو داخل کر دیتے ہیں، جو املا کی رُو سے غلط ہے۔ کبھی کبھار ایک ہی رسالہ، کتاب اور ٹی وی چینل پر غیر ملکی الفاظ میں دو رنگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ راقم نے کچھ عرصہ قبل ایک ہی ٹی وی چینل کی پٹّی پر ''پاناما'' اور ''پانامہ'' لکھے ہوئے دیکھا۔ یہی حال دیگر جگہوں کا بھی ہے۔ ہماری دانست میں سوائے چند استثنائی مثالوں کے ہمیں اسمائے معرفہ میں بھی یک ساں اصول اور قاعدے کی پابندی کرتے ہوئے الف ہی سے لکھنے چاہییں۔ راقم السطور کی نظر میں امریکا، کینیڈا، بنگلا دیش وغیرہ کو الف ہی سے لکھنا بہتر ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی نے گیارھویں سے تیرھویں اور سترھویں تجویز میں ہمزہ کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ گیارھویں تجویز میں اُن کا کہنا ہے کہ جن لفظوں کے آخر میں یائے ساکن ہو، اضافت کی صورت میں اس ''ی'' کے نیچے کسرہ آئے گا۔ مثلاً: مرضیِ خدا، رعنائیِ خیال، آزادیِ وطن۔[۴۳]

''املا نامہ'' میں ہاشمی صاحب کی تجویز کے برعکس تراکیب میں اضافت کو ہمزہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ مثلاً: شوخیٔ تحریر، زندگیٔ جاوید، رنگینیٔ مضمون وغیرہ۔[۴۴] ڈاکٹر ابومحمد سحر کے ہاں بھی ایسی ہی صورتِ حال نظر آتی ہے۔ مثلاً: زندگیٔ فانی، سردیٔ حنا وغیرہ۔[۴۵] رفیق احمد نقش بھی ایسے مقامات پر تراکیب میں ہمزۂ اضافت ہی کو فصیح سمجھتے ہیں۔[۴۶] جب کہ رشید حسن خاں یائے معروف پر کسرۂ اضافت کو درست گردانتے ہیں۔[۴۷] ہاشمی صاحب کی پیش کردہ گیارھویں تجویز کی صرف یہیں ایک جگہ مماثلت نظر آتی ہے۔ اِس ہیچ مداں کو بھی اضافت

کی صورت میں ''ی'' کے نیچے زیر لگانے پر اختلاف ہے۔اصولاً ترکیبی حالت میں یائے معروف پر ختم ہونے والے الفاظ کو ہمزہ ہی سے مضاف کرنے چاہییں ۔کیوں کہ ہمزہ آواز کے لحاظ سے الف کا ہم جنس ہے اور عموماً ''اے'' کی آواز دیتا ہے۔''مرضیٔ خدا'' یا ''آزادیٔ وطن'' جیسی تراکیب میں مضاف اور مضاف الیہ یا موصوف اور صفت کے درمیان ''اے'' کی واضح آواز آتی ہے۔لہٰذا ''ی'' کے اوپر ہمزہ لگنا چاہیے۔ یہ بات ہم نے ''جیسا بولو ویسا لکھو'' کے ذیل میں کہی ہے۔اگرچہ اِس اصول کو اردو زبان کی تمام لفظیات پر منطبق نہیں کیا جاسکتا،لیکن پھر بھی ہم تقریباً نوے فی صد اردو میں کرشمہ سازیاں اِسی اصول کے تحت دکھاتے ہیں۔

بارھویں تجویز میں ہاشمی صاحب نے عربی جمع اور مصادر کے حوالے سے لکھا ہے کہ اردو میں عربی الفاظ اور دیگر الف پر ختم ہونے والے تمام الفاظ کے آخر میں ہمزہ نہیں لکھیں گے، البتہ عربی تراکیب میں ''ء'' لکھا جائے گا۔مثلاً: ابتدا، انتہا، اولیا، انبیا، ایشیا، لا کالج۔لیکن عطاء اللہ، ضیاء الحق، اختر النساء وغیرہ۔[۴۸] ہمزہ کے باب میں ہاشمی صاحب کی پیش کردہ اِس تجویز پر تقریباً اب سب متفق ہیں اور اردو تحریروں میں اِس کا التزام بھی کیا جارہا ہے۔ ناچیز کی رائے میں آخرالذکر عربی ترکیب میں بھی ہمزہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ یہاں ہمزہ کی آواز نہیں نکلتی، لہٰذا اِسے لکھنے کا بھی جواز نہیں۔ البتہ عربی تراکیب کے درمیان ہمزہ کا استعمال مناسب ہے۔

ہاشمی صاحب نے تیرھویں تجویز میں تراکیب کی صورت میں ''ے'' پر ہمزہ لگانے کو زائد اور غیر ضروری بتایا ہے۔اُن کی رائے میں صحیح صورت کی مثالیں: حکماے اسلام، ابتداے کار، بوے گل وغیرہ ہیں۔[۴۹] اِس تجویز کو کسی حد تک قبول کرلیا گیا ہے۔یعنی جن الفاظ کے آخر میں الف آتا ہے۔ اضافت کی صورت میں اُن کے آگے یائے مجہول کا اضافہ کردیا جاتا ہے۔رشید حسن خاں کے ہاں مرکبات کی صورت بِنا ہمزہ کے ہوتی ہیں۔[۵۰] رفیق احمد نقش بھی اِسی املا کے قائل تھے۔[۵۱] ڈاکٹر رؤف پاریکھ بھی اِسی املا کے حمایتی ہیں۔[۵۲] البتہ املانامہ[۵۳] اور ڈاکٹر ابومحمد سحر کے ہاں تراکیب میں یائے مجہول پر ہمزے کا التزام کیا گیا ہے۔[۵۴] جو کسی بھی طرح ٹھیک نہیں ہے۔ اِس ضمن میں ہاشمی صاحب کا موقف بالکل درست ہے، کیوں کہ تراکیب میں یائے مجہول دراصل اضافت ہی کے طور پر ہے۔ اضافت پر اضافت مضحکہ خیز صورتِ حال کو پیش کرے گی۔ ہمزہ کی قائم مقام یائے مجہول پر اگر ہمزہ لگا بھی دیا جائے تو پھر اس کے تلفظ میں بگاڑ پیدا ہوجائے گا۔مثلاً ''ابتداے کار'' کو ''ابتدا اے کار'' اور ''بُوے گُل'' کو ''بُواے گُل'' پڑھا جائے گا جو صحّتِ املا اور تلفظ کے حوالے سے افسوس ناک ہوگا۔

سترھویں تجویز میں ہاشمی صاحب بعض فارسی وعربی الفاظ کو ہمزہ سے لکھنے کو درست بتاتے ہیں۔مثلاً: آئندہ، آزمائش، آرائش، لائق، شائع، مسائل، عقائد وغیرہ۔[۵۵] ڈاکٹر ابومحمد سحر نے تلفظ اور رواج کے مطابق اِسی املا کو صحیح جانا ہے۔[۵۶] املانامہ میں بھی تلفظ اور چلن کے اعتبار سے اِسے ہی مرجح قرار دیا ہے۔[۵۷] ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی ایسے سب مقامات پر ''ی'' کے بجائے ''ہمزہ'' کو ترجیح دیتے ہیں۔[۵۸] البتہ رشید حسن خاں کی رائے اِس کے برعکس ہے۔ وہ اِس قبیل کے تمام الفاظ کو ہمزہ کے بجائے ''ی'' سے لکھنے کے لیے اصرار کرتے ہیں۔مثلاً: آیندہ، آرایش، آسایش، آزمایش، نمایش، رہایش وغیرہ۔[۵۹]

رشید حسن خاں نے اِس بحث میں فارسی کی مثالیں پیش کی ہیں جو اردو کے لی کسی بھی طرح قابلِ قبول نہیں۔میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ اردو زبان کے لکھنے اور تلفظ کی ادائی کا اپنا طریقِ کار ہے۔ اردو میں دیگر زبانوں کی صوتیات اور حروف کے اشکال میں بعض مماثلتوں کے باوجود بھی ہمارے لب و لہجے اور املا وقواعد وغیرہ میں کافی تفاوت ہے۔دوسری زبانوں کے الفاظ کو قبول کرنے کے باوجود بھی ہم پر اس زبان کے اصول وقواعد کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔لسانی اعتبار سے بھی بعینہٖ قبولیت کا معاملہ غیر منطقی وغیر علمی ہے۔لہٰذا فارسی کی تقلید ہم پر کسی بھی طرح واجب نہیں ہے۔ الطاف حسین حالی ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں شامل ہونے سے طرح طرح کے تغیّرات کی بابت ارشاد فرماتے ہیں:

> بات یہ ہے کہ ایسے لفظوں کو جو عربی یا فارسی یا انگریزی سے اردو میں لیے گئے ہیں اور اصل وضع کے خلاف عموماً مستعمل ہوتے ہیں یہ سمجھنا ہی غلطی ہے کہ وہ موجودہ صورت میں عربی ، فارسی یا انگریزی کے الفاظ ہیں۔نہیں بلکہ ان کو اردو کے الفاظ سمجھنا چاہیے۔ جو اصل کے لحاظ سے عربی یا فارسی یا انگریزی سے ماخوذ ہیں۔ ایسے لفظوں کو غلط سمجھ کر ترک کرنا اور ان کو اصل کے موافق استعمال کرنے پر مجبور کرنا بعینہٖ ایسی بات ہے کہ لال ٹین کے بولنے سے لوگوں کو منع کیا جائے اور لینٹرن بولنے پر مجبور کیا جائے۔ یا گھڑا بولنے سے روکا جائے اور گھٹ بولنے کی تاکید کی جائے۔[۶۰]

عبدالستار صدیقی بھی مختلف زبانوں کے الفاظ لہجے کے مطابق املا کو صحیح لکھنے کی سفارش کرتے ہیں۔[۶۱] دوسری اہم بات یہ بھی ہے کہ فارسی میں ہمزہ کی بجائے ''ی'' سے لکھنے والے الفاظ کا تلفظ فارسی داں ''ی'' ہی سے کرتے ہیں۔ جب کہ ہم اِن ماقبل الذکر الفاظ کو دونوں صورتوں یعنی ''ء'' اور ''ی'' سے لکھنے کے باوجود بھی تلفظ

ہمزہ ہی سے کرتے ہیں۔ مثلاً آزمائش اور نمائش کا تلفظ اردو میں ''آزماِش'' اور ''نماِش'' ہی کیا جاتا ہے۔ اِس نوع کے دیگر لفظوں میں بھی تلفظ کی یہی صورت ہوگی۔ علاوہ ازیں اہلِ ایران کے ہاں اب ہمزہ کا استعمال بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان کی شائع شدہ جدید کتب میں اِسے دیکھا جاسکتا ہے۔ ہمزہ خالصتاً عربی سے متعلّق ہے۔ ابتدا میں عربوں کی فتوحات کے زیرِ اثر ایک طویل عرصے تک ایرانیوں نے اِسے قبول کیا تھا۔ ہر مفتوح قوم کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے، لیکن اب وہ اثر زائل ہونے پر صورتِ حال یکسر تبدیل ہوچکی ہے۔ لیکن ایرانیوں کی نسبت ہماری زبان میں ہمزہ کا کثرت سے استعمال ہے۔ مذکورۂ بالا الفاظ میں ''ی'' لکھنے سے املا اور تلفظ دونوں میں بگاڑ پیدا ہوگا!!

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اٹھارہ سے بائیس تک کی تجاویز میں ''ذ'' اور ''ز'' پر گفتگو کی ہے۔ انھوں نے فارسی مصادر گذاردن، گذشتن اور گذاشتن کو چلنے، چھوڑنے اور پار کرنے کے معانی میں بتایا ہے اور اِس سے بننے والے لفظوں مثلاً: گذشتہ، سرگذشت، رہ گذر، گذرگاہ، درگذر، رفت گذشت، واگذاشت وغیرہ کو ''ذ'' سے لکھنے کو کہا ہے۔[۶۲] جب کہ ''گزاردن'' مصدر کے معانی ادا کرنے، پیش کرنے اور شرح کرنے کے بتائے ہیں۔ اِس سے بننے والے الفاظ مثلاً: تہجّد گزار، شکر گزار، عرضی گزار، خدمت گزار کو ''ز'' سے لکھنے کی سفارش کی ہے۔[۶۳]

غالب ''ذال'' کو صرف عربی حرف سمجھتے رہے، اِس لیے وہ فارسی میں اِس کے آخر تک منکر ہی رہے۔ انھوں نے بعض فارسی مصادر کو ''ز'' سے لکھنے کا اقرار بھی کیا، لیکن املا کی غلطی کو قبول نہیں کیا۔[۶۴] حالاں کہ ''ذ'' فارسی مصادر کے علاوہ متعدد اردو الفاظ میں لکھا جاتا ہے۔ ''ذال'' یا ''زے'' سے لکھے گئے الفاظ میں تلفظ کی یک سانیت اور کچھ بہ لحاظِ ساخت مشابہت سے بھی تغیر ہوجاتا ہے۔ اِسی لیے عموماً بعض لوگ ''زکریا'' لکھتے وقت مستعمل لفظ ''ذکر'' کی مناسبت سے بے دھڑک ''ذ'' سے ''ذکریا'' لکھ دیتے ہیں، جو غلط ہے۔ ایسی ہی غلطیاں دیگر لفظیات میں بھی کی جاتی ہیں۔ ہاشمی صاحب کے پیش کردہ مصادر سے بننے والے الفاظ میں بھی ایسی فروگذاشتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثلاً فارسی مصدر ''گذشتن'' سے تشکیل پانے والے الفاظ ''گذشتہ'' اور ''سرگذشت'' وغیرہ کو بعض لوگ ''ز'' سے بھی لکھ دینے میں تامّل نہیں کرتے۔ ہاشمی صاحب کی ''ذ'' اور ''ز'' کی اِن پانچوں تجاویز کو رشید حسن خاں کے ہاں بغیر کسی فرق سے، صراحت کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔[۶۵] املانامہ میں بھی اِسی نقطۂ نظر کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔[۶۶]

ڈاکٹر ابومحمد سحر اردو کے لیے ''گذاشتن'' اور ''گزاردن'' وغیرہ مصادر میں فرق کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ''ز'' کا چلن بہت ہوچکا ہے، اگر اِسے مستقلاً اختیار کرلیا جائے تو یہ ہر اعتبار سے

سودمند ہوگا۔ لہٰذا ان کے بقول گذشتہ، سرگذشت، رہ گذر وغیرہ کو ''زے'' ہی سے لکھا جائے۔[۶۷] ہمارے خیال میں چلن کو جواز بنا کر اختیار کی ترغیب دینا منطقی لحاظ سے مستحسن نہیں ہے۔ ''ذ'' اور ''ز'' کی بحث کافی پرانی اور اختلافی ہے۔ اِس پر بہت کچھ لکھے جانے کے باوجود ہنوز یہ عالمانہ اور محققانہ انداز میں مفصل گفت و شنید کی متقاضی ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی نے تیئیس سے اُنتیس تک کی تجاویز میں مختلف صحیح / غلط اور واحد/جمع الفاظ و مرکبات کی نشان دہی کی ہے۔ مثلاً: پروا، موقع، مصرع، ادائی، ناراضی، ازدحام، سیکڑوں، پائدار، استعفا، رحمت للّعالمین، پِتّا، بائبل، بنک، انجینر، سکول وغیرہ۔[۶۸] اِن میں بیش تر درست لفظیات میں سے ہمیں صرف مؤخرالذکر تینوں بدیسی الفاظ پر اختلاف ہے۔ ہماری دانست میں اِن کا املا ''بینک''، ''انجینیر'' (انجینئر/انجینیئر) اور ''اسکول'' ہونا چاہیے۔ لفظ ''بینک'' (Bank) میں پہلے حرف ''ب'' کے بعد یاے مجہول کی واضح آواز شامل ہے۔ اِسی قبیل کے دیگر انگریزی الفاظ ''ٹینک''، ''تھینک'' وغیرہ میں بھی یہی صورت ہوگی۔ ''تھینک'' سے اگر یاے مجہول حذف کر دیا جائے تو بہ لحاظِ ہیئت اور تلفظ انگریزی کا دوسرا لفظ ''تھنک'' پڑھا جائے گا۔ اِسی طرح اردو الفاظ ''رینگ'' سے ''رنگ'' یا ''نیک'' سے ''نک'' (ناک کا مخفّف) وغیرہ مبدل کرنے پر صُوری و معنوی فرق کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ المختصر ''بنک'' کے تلفظ اور املا سے انگریزی کے ایک دوسرے لفظ ''بنک'' (bunk) کا تصور اُبھرتا ہے، یعنی کلاس میں حاضری کو دانستہ ترک کر دینا، جس سے ہمارے اسکول کالج کے طلبہ کما حقہٗ آشنا ہیں۔ اِسی طرح ''انجینیر'' کو ''انجنیر'' لکھنے سے اِس کا تلفظ ''انجی نر'' ہوگا، جو ہمارے اور انگریزی کے تلفظ کے اعتبار سے بھی کسی طرح درست نہیں۔

ہاشمی صاحب نے اُنتیس ویں تجویز میں ''سکول'' کی جمع ''سکولز'' کی بجاے ''سکولوں'' کو قاعدے کے مطابق درست بتایا ہے۔ ہمیں ان کی جمع کے اصول سے مکمّل اتّفاق ہے، البتہ اِنھیں ''بِلا الف'' لکھنے سے اتفاق نہیں ہے۔ اِس قماش کے دیگر الفاظ ''اسٹیشن''، ''اسکارف'' وغیرہ کو بھی پنجاب میں بِلا الف لکھا جاتا ہے۔ چوں کہ ان لوگوں کا تلفظ الفاظ کی لکھاوٹ کے مطابق ہی ہوتا ہے، اِس لیے بعض ماہرینِ لسانیات کے مطابق اُن کا اِس نوع کا لکھا گیا املا بھی درست ہے، لیکن اِسے پورے ملک پر منطبق نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر رؤف پاریکھ کے مطابق اس کی وجہ صوتیاتی مجبوری ہے۔ اردو والے کسی لفظ کی ابتدا میں دو مصمتے (Consonant) ایک ساتھ نہیں بول سکتے، لہٰذا یا تو ابتدا میں مصوتہ یعنی Vowel (الف) لگا دیتے ہیں (جیسے کراچی والے اِسکول بولتے ہیں) یا دو مصمتوں (سین اور کاف) کے درمیان ایک مصوتہ (زبر) لگا دیتے

ہیں (جیسے اہلِ پنجاب سکول بولتے ہیں)۔صوتیاتی اور لسانیاتی لحاظ سے اس کی وضاحت پاریکھ صاحب نے اپنی کتاب ''لسانی مباحث'' میں تفصیل سے کی ہے۔ یہاں وہ تفصیل دینا ممکن نہیں۔مختصراً یہ کہ دونوں درست ہیں۔

املا کی اصلاح اور اصول وقواعد کے لیے اب تک جو مساعی کی گئی ہیں اور اِس ضمن میں جو سفارشات اور تجاویز پیش کی گئی ہیں، اُنھیں اب تک کامل قبولِ عام کا درجہ حاصل نہیں ہوسکا ہے۔ نامانوس، ناآشنا اور تبدیل شدہ صورتوں اور نقوش کو من وعن قبول کرنے کا عمل دشوار گزار ہوتا ہے،لیکن اِس کے باوجود عصرِ حاضر میں صحتِ املا کے معاملے میں بہتری کی صورتیں پیدا ہورہی ہیں ۔تخلیقی وتحقیقی رسائل، اخبارات اور برقی ذرائع ابلاغ میں اِس سُدھار کی واضح تصویریں اُبھر رہی ہیں، اِس ابھار میں ماہرینِ املا اور علما وفضلا کی جانب سے کی گئیں، عہد بہ عہد کوششوں کا بڑا عمل دخل رہا ہے، اور اب ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی جیسے باہمت اور پُرعزم شخص بھی اِس صف میں شامل ہوگئے ہیں۔آپ کی پیش کردہ تجاویز اردو املا کے بنیادی مسائل کی تفہیم میں یقیناً ممدومعاون ثابت ہوں گی۔ہم سب کے لیے اِن کا دم غنیمت ہے، جو زبان کی صحت اور املا کے گمبھیر مسائل کو حل کرنے کے لیے پیرانہ سالی میں بھی مستقل مزاجی سے اِس سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔[۶۹]

حواشی

۱۔ رفیع الدین ہاشمی، صحتِ املا کے اصول، (کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۱۶ء)، ص ۷، ۸۔
۲۔ رؤف پاریکھ، معروضات، ایضاً، ص ۵۔
۳۔ سیّد ہاشمی فرید آبادی، اصلاحِ رسم الخط، مشمولہ اردو (دہلی: انجمنِ ترقّیِ اردو ہند، جنوری ۱۹۴۴ء)، ص ۱۱۱۔
۴۔ رفیع الدّین ہاشمی، محولۂ بالا، ص ۱۳۔
۵۔ ایضاً، ص ۱۱۔
۶۔ گوپی چند نارنگ (مرتّب)، املا نامہ (نئی دہلی: ترقّی اردو بیورو، ۱۹۹۰ء)، دوسرا ایڈیشن، ص ۹۷۔
۷۔ رشید حسن خاں، اردو املا (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۶۰، ۴۸۰۔
۸۔ گوپی چند نارنگ (مرتّب) محولۂ بالا، ص ۹۷۔
۹۔ ایضاً، ص ۹۴، ۹۳۔
۱۰۔ ایضاً، ۹۶۔۹۴۔
۱۱۔ رشید حسن خاں، محولۂ بالا، ص ۴۷۵۔۴۷۳، ۴۶۹۔
۱۲۔ اِس امر کا تفصیلی اظہار راقم اپنے ایک مضمون رفیق احمد نقش اور اردو املا میں بھی کرچکا ہے۔تفصیلات کے لیے دیکھیے: پہچان ۲۶، شمارہ جنوری تا ستمبر ۲۰۱۴ء، رفیق احمد نقش نمبر، (میرپورخاص: ادارۂ پہچان)، ص ۳۳۴۔
۱۳۔ رفیع الدّین ہاشمی، محولۂ بالا، ص ۱۳، ۱۲۔

۱۴۔ ایضاً۔
۱۵۔ سیّد ہاشمی فرید آبادی، محولۂ بالا، ص ۱۱۴۔
۱۶۔ ایضاً۔
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۱۵۔
۱۸۔ فرمان فتح پوری (مرتّب)، اردو املا کے اصول، مشمولہ اردو املا و قواعد (مسائل ومباحث)، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، جون ۱۹۹۰ء)، طبع اوّل، ص ۳۴۲۔
۱۹۔ گوپی چند نارنگ (مرتّب)، محولۂ بالا، ص ۵۲-۵۰۔
۲۰۔ حفیظ الرحمان واصف، ادبی بھول بھلیاں، (دہلی: کلر پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۹ء)، ص ۷۱، ۶۸۔
۲۱۔ ایضاً، ص ۷۱۔
۲۲۔ المنجد، (عربی۔اردو لغت) ترجمہ: سعد حسن خاں یوسفی و دیگر (کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۴ء)، یازدہم، ص ۴۳۷۔
۲۳۔ رشید حسن خاں، محولۂ بالا، ص ۶۱-۶۰، ۵۰۔
۲۴۔ ایضاً، ص ۵۹، ۵۸۔
۲۵۔ انصار احمد شیخ، رفیق احمد نقش اور اردو املا، مشمولہ پہچان، میر پور خاص، شمارہ ۲۶، محولۂ بالا، ص ۳۳۵۔
۲۶۔ نصیر ترابی، شعریات (کراچی: پیراماؤنٹ پبلشنگ انٹر پرائز، ۲۰۱۲ء)، ص ۲۶۔
۲۷۔ رؤف پاریکھ، صحافت کی زبان اور اردو املا کا انتشار، مشمولہ ماہ نامہ قومی زبان (کراچی: انجمنِ ترقّیٔ اردو پاکستان)، شمارہ اپریل ۲۰۱۷ء، ص ۷۳-۷۲۔
۲۸۔ رفیع الدّین ہاشمی، محولۂ بالا، ص ۱۳۔
۲۹۔ ایضاً۔
۳۰۔ فرمان فتح پوری، اردو املا اور رسم الخط (لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۲۸۔
۳۱۔ ایضاً۔
۳۲۔ گوپی چند نارنگ (مرتّب)، محولۂ بالا، ص ۵۳، ۵۲۔
۳۳۔ شمس الرحمان فاروقی، لغاتِ روزمرہ (کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۲ء)، ص ۳۴۵-۳۴۲۔
۳۴۔ شان الحق حقّی، لسانی مسائل ولطائف (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۶ء)، طبع اوّل، ص ۳۰۔
۳۵۔ ابو محمد سحر، اردو املا اور اس کی اصلاح، (بھوپال: مکتبۂ ادب، ۲۰۰۴ء)، دوسری اشاعت، ص ۴۵۔
۳۶۔ ایضاً، ص ۷۲، ۴۵۔
۳۷۔ غلام مصطفیٰ خاں، علمی نقوش (کراچی: المصطفیٰ ایجوکیشنل سوسائٹی، ۱۹۹۶ء)، طبع اوّل، ص ۱۰۳۔
۳۸۔ رشید حسن خاں، محولۂ بالا، ص ۱۰۵۔
۳۹۔ مولوی عبدالحق، اردو صرف ونحو (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، جولائی ۱۹۶۹ء)، دوسری بار، ص ۳۹۔
۴۰۔ گوپی چند نارنگ (مرتّب)، محولۂ بالا، ص ۷۲، ۷۱۔
۴۱۔ ایضاً۔

۴۲۔ رفیق احمد نقش نے مرتّب کی حیثیت سے اپنے رسالے تحریر میں ہر جگہ اِسی املا کو رکھا تھا۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: تحریر، شمارہ نمبر ۷ (میر پور خاص: ادارۂ فرہنگ)، ص ۱۹۔

۴۳۔ رفیع الدّین ہاشمی، محولۂ بالا، ص ۱۴۔

۴۴۔ گوپی چند نارنگ (مرتّب)، محولۂ بالا، ص ۸۷۔

۴۵۔ ابو محمد سحر، محولۂ بالا، ص ۶۵۔

۴۶۔ انصار احمد شیخ، محولۂ بالا، ص ۳۳۱۔

۴۷۔ رشید حسن خاں، محولۂ بالا، ص ۴۰۱۔

۴۸۔ رفیع الدّین ہاشمی، محولۂ بالا، ص ۱۴۔

۴۹۔ ایضاً۔

۵۰۔ رشید حسن خاں، محولۂ بالا، ص ۴۱۰۔

۵۱۔ انصار احمد شیخ، محولۂ بالا، ص ۳۳۲۔

۵۲۔ رؤف پاریکھ، محولۂ بالا، ص ۷۱۔

۵۳۔ گوپی چند نارنگ (مرتّب)، محولۂ بالا، ص ۸۶،۸۷۔

۵۴۔ ابو محمد سحر، محولۂ بالا، ص ۶۵۔

۵۵۔ رفیع الدّین ہاشمی، محولۂ بالا، ص ۷۔

۵۶۔ ابو محمد سحر، محولۂ بالا، ص ۹۱۔

۵۷۔ گوپی چند نارنگ (مرتّب)، محولۂ بالا، ص ۸۶۔

۵۸۔ فرمان فتح پوری، اردو میں عربی وفارسی الفاظ کا املا، مشمولہ املا ورموزِ اوقاف کے مسائل (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص ۱۱۵، ۱۱۴۔

۵۹۔ رشید حسن خاں، محولۂ بالا، ص ۴۲۹، ۴۲۸۔

۶۰۔ الطاف حسین حالی، مقدّمۂ شعروشاعری (لاہور: خزینۂ علم وادب، ۲۰۰۱ء)، ص ۹۶،۹۷۔

۶۱۔ عبدالستار، املا وتلفظ، مشمولہ اردواملا وقواعد (مسائل ومباحث)، محولۂ بالا، ص ۲۳۔

۶۲۔ رفیع الدّین ہاشمی، محولۂ بالا، ص ۱۶۔

۶۳۔ ایضاً۔

۶۴۔ قاضی عبدالودود، غالب اور ذال فارسی، مشمولہ گنجینۂ غالب (نئی دہلی: پبلی کیشنز ڈویژن، ۱۹۹۵ء)، ص ۳۸۔

۶۵۔ رشید حسن خاں نے اردو املا کے صفحہ نمبر ۱۵۴ سے ۱۵۸ تک مفصّل اور مدلّل گفتگو کی ہے۔

۶۶۔ گوپی چند نارنگ (مرتّب)، محولۂ بالا، ص ۶۰۔

۶۷۔ ابو محمد سحر، محولۂ بالا، ص ۴۱۔

۶۸۔ رفیع الدّین ہاشمی، محولۂ بالا، ص ۱۸، ۱۷۔

۶۹۔ رؤف پاریکھ، لسانیاتی مباحث (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۵ء)، ص ۲۷۔۳۹

مآخذ

۱۔ پاریکھ، رؤف، صحافت کی زبان اور اردو املا کا انتشار، ماہ نامہ قومی زبان، کراچی: انجمنِ ترقّیِ اردو پاکستان، شمارہ اپریل ۲۰۱۷ء۔

۲۔ پاریکھ، رؤف، لسانیاتی مباحث، کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۵ء۔

۳۔ ترابی، نصیر، شعریات، کراچی: پیراماؤنٹ پبلشنگ انٹر پرائز، ۲۰۱۲ء۔

۴۔ حالی، الطاف حسین، مقدّمۂ شعروشاعری، لاہور: خزینۂ علم وادب، ۲۰۰۱ء۔

۵۔ حقّی، شان الحق، لسانی مسائل ولطائف، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۶ء، طبع اوّل۔

۶۔ خاں، رشید حسن، اردو املا، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۷ء۔

۷۔ سحر، ابو محمد، اردو املا اور اس کی اصلاح، بھوپال: مکتبۂ ادب، ۲۰۰۴ء، دوسری اشاعت۔

۸۔ خاں، غلام مصطفیٰ، علمی نقوش، کراچی: المصطفیٰ ایجوکیشنل سوسائٹی، ۱۹۹۶ء، طبع دوم۔

۹۔ شیخ، انصار احمد، رفیق احمد نقش اور اردو املا، مشمولہ پہچان ۲۶، شمارہ جنوری تا ستمبر ۲۰۱۴ء، رفیق احمد نقش نمبر، میر پور خاص: ادارۂ پہچان۔

۱۰۔ عبدالحق، مولوی، اردو صرف ونحو، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، جولائی ۱۹۶۹ء، دوسری بار۔

۱۱۔ عبدالودود، قاضی، غالب اور ذال فارسی، مشمولہ گنجینۂ غالب، نئی دہلی: پبلی کیشنز ڈویژن، ۱۹۹۵ء، دوسری بار۔

۱۲۔ فاروقی، شمس الرحمان، لغاتِ روزمرہ، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۲ء۔

۱۳۔ فتح پوری، فرمان، اردو املا اور رسم الخط، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔

۱۴۔ فتح پوری، فرمان (مرتّب)، اردو املا کے اصول، مشمولہ اردو املا و قواعد (مسائل ومباحث)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، جون ۱۹۹۰ء، طبع اوّل۔

۱۵۔ فتح پوری، فرمان، اردو میں عربی وفارسی الفاظ کا املا مشمولہ املا ورموزِ اوقاف کے مسائل، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء۔

۱۶۔ فرید آبادی، سیّد ہاشمی، اصلاحِ رسم الخط، مشمولہ اردو، دہلی، جنوری ۱۹۴۴ء، انجمن ترقّیِ اردو۔

۱۷۔ نارنگ، گوپی چند (مرتّب) املا نامہ، نئی دہلی: ترقّیِ اردو بیورو، ۱۹۹۰ء، دوسرا ایڈیشن۔

۱۸۔ نقش، رفیق احمد (مرتّب)، تحریر، شمارہ ۷، جنوری ۲۰۰۰ء، میر پور خاص: ادارۂ فرہنگ۔

۱۹۔ واصف، مولانا حفیظ الرحمان، ادبی بھول بھلیاں، دہلی: کلر پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۹ء۔

۲۰۔ ہاشمی، رفیع الدّین، صحتِ املا کے اصول، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۱۶ء۔

۲۱۔ یوسفی، سعد حسن خاں ودیگر (ترجمہ)، المنجد (عربی۔اردو)، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۴ء، یازدہم۔